خطبہ نمبر

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (آل عمران 74)

روزنامہ

الفضل لندن

مدیر ابو سعید

Online Edition

سوموار 25 اکتوبر 2021ء | 18 ربیع الاول 1443 ہجری قمری | 25 اخاء 1400 ہجری شمسی | جلد:3 | شمارہ:253

ارشاد باری تعالیٰ

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۸﴾

(بنی اسرائیل: 38)

ترجمہ: اور زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ تُو یقیناً زمین کو پھاڑ نہیں سکتا اور نہ قامت میں پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکتا ہے۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تکبر کیا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہو گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں نہیں داخل ہونے دے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، جوتی اچھی ہو اور خوبصورت لگے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ تکبر نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، یعنی خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر دراصل یہ ہے کہ انسان حق کا انکار کرنے لگے، لوگوں کو ذلیل سمجھے، ان کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور ان سے بری طرح پیش آئے۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان باب تحریم الکبر وبیانہ)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

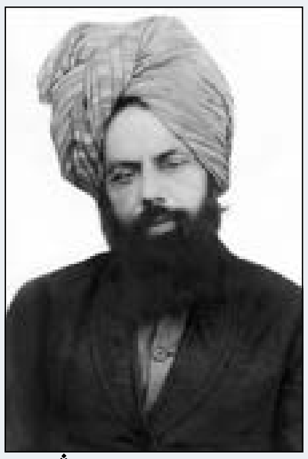

تکبر سے بچو

’’مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبر سے بچو کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے۔ مگر تم شاید نہیں سمجھو گے کہ تکبر کیا چیز ہے۔ پس مجھ سے سمجھ لو کہ مَیں خدا کی روح سے بولتا ہوں۔

ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو اس لئے حقیر جانتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ عالم یا زیادہ عقلمند یا زیادہ ہنرمند ہے وہ متکبر ہے کیونکہ وہ خدا کو سرچشمہ عقل اور علم کا نہیں سمجھتا اور اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے۔ کیا خدا قادر نہیں کہ اُس کو دیوانہ کر دے اور اس کے اُس بھائی کو جس کو وہ چھوٹا سمجھتا ہے اس سے بہتر عقل اور علم اور ہنر دے دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنے کسی مال یا جاہ وحشمت کا تصور کر کے اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ یہ جاہ وحشمت خدا نے ہی اُس کو دی تھی اور وہ اندھا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ خدا قادر ہے کہ اس پر ایک ایسی گردش نازل کرے کہ وہ ایک دم میں اَسۡفَلُ السَّافِلِیۡن میں جا پڑے اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ حقیر سمجھتا ہے اس سے بہتر مال و دولت عطا کر دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنی صحت بدنی پر غرور کرتا ہے یا اپنے حسن اور جمال اور قوت اور طاقت پر نازاں ہے اور اپنے بھائی کا ٹھٹھے اور استہزاء سے حقارت آمیز نام رکھتا ہے اور اُس کے بدنی عیوب لوگوں کو سناتا ہے وہ بھی متکبر ہے اور وہ اس خدا سے بے خبر ہے کہ ایک دم میں اس پر ایسے بدنی عیوب نازل کرے کہ اس بھائی سے اس کو بدتر کر دے اور وہ جس کی تحقیر کی گئی ہے ایک مدت دراز تک اس کے قویٰ میں برکت دے کہ وہ کم نہ ہوں اور نہ باطل ہوں کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ شخص بھی جو اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دعا مانگنے میں سست ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ قوتوں اور قدرتوں کے سرچشمہ کو اُس نے شناخت نہیں کیا اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھا ہے۔

سو تم اے عزیزو! ان تمام باتوں کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا تعالیٰ کی نظر میں متکبر ٹھہر جاؤ اور تم کو خبر نہ ہو۔ ایک شخص جو اپنے ایک بھائی کے ایک غلط لفظ کی تکبر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے سننا نہیں چاہتا اور منہ پھیر لیتا ہے اُس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک غریب بھائی جو اس کے پاس بیٹھا ہے اور وہ کراہت کرتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو دعا کرنے والے کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتا ہے اس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے۔ اور وہ جو خدا کے مامور اور مُرسل کی پورے طور پر اطاعت کرنا نہیں چاہتا اس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے۔ اور وہ جو خدا کے مامور اور مُرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ۔‘‘

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 402-403)

فرمان خلیفہ وقت

انسان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ کس بات کی اکڑ فوں ہے۔ بعض لوگ کنویں کے مینڈک ہوتے ہیں، اپنے دائرہ سے باہر نکلنا نہیں چاہتے۔ اور وہیں بیٹھے سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم بڑی چیز ہیں۔ اس کی مثال اس وقت مَیں ایک چھوٹے سے چھوٹے دائرے کی دیتا ہوں، جو ایک گھریلو معاشرے کا دائرہ ہے، آپ کے گھر کا ماحول ہے۔ بعض مرد اپنے گھر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کر رہے ہوتے ہیں کہ روح کانپ جاتی ہے۔ بعض بچیاں لکھتی ہیں کہ ہم بچپن سے اپنی بلوغت کی عمر کو پہنچ چکی ہیں اور اب ہم سے برداشت نہیں ہوتا۔ ہمارے باپ نے ہماری ماں کے ساتھ اور ہمارے ساتھ ہمیشہ ظلم کا رویہ رکھا ہے۔ باپ کے گھر میں داخل ہوتے ہی ہم سہم کر اپنے کمروں میں چلے جاتے ہیں۔ کبھی باپ کے سامنے ہماری ماں نے یا ہم نے کوئی بات کہہ دی جو اس کی طبیعت کے خلاف ہو تو ایسا ظالم باپ ہے کہ سب کی شامت آجاتی ہے۔ تو یہ تکبر ہی ہے جس نے ایسے باپوں کو اس انتہا تک پہنچا دیا ہے اور اکثر ایسے لوگوں نے اپنا رویّہ باہر ایسا رکھا ہوتا ہے، بڑا اچھا رویہ ہوتا ہے ان کا اور لوگ باہر سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ان جیسا شریف انسان ہی کوئی نہیں ہے۔ اور باہر کی گواہی ان کے حق میں ہوتی ہے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو گھر کے اندر اور باہر ایک جیسا رویہ اپنائے ہوئے ہوتے ہیں ان کا تو ظاہر ہو جاتا ہے سب کچھ۔ تو ایسے بد خُلق اور متکبر لوگوں کے بچے بھی، خاص طور پر لڑکے جب جوان ہوتے ہیں تو اس ظلم کے ردّ عمل کے طور پر جو انہوں نے ان بچوں کی ماں یا بہن یا ان سے خود کیا ہوتا ہے، ایسے بچے پھر باپوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ایک وقت میں جا کر جب باپ اپنی کمزوری کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس سے خاص طور پر بدلے لیتے ہیں۔ تو اس طرح ایسے متکبرانہ ذہن کے مالکوں کی اپنے دائرہ اختیار میں مثالیں ملتی رہتی ہیں۔ مختلف دائرے ہیں معاشرے کے۔ ایک گھر کا دائرہ اور اس سے باہر ماحول کا دائرہ۔ اپنے اپنے دائرے میں اگر جائزہ لیں تو تکبیر کی یہ مثالیں آپ کو ملتی چلی جائیں گی۔

پھر اس کی انتہا اس دائرے کی اس صورت میں نظر آتی ہے جہاں بعض قومیں اور ملک اور حکومتیں اپنے تکبر کی وجہ سے ہر ایک کو اپنے سے نیچ سمجھ رہی ہوتی ہیں۔ اور غریب قوموں

بقیہ صفحہ 9 پر

اس شمارہ میں

- دربارِ خلافت
- اوصافِ قرآن مجید (منظوم)
- خلاصہ خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ
- خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

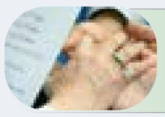

دربارِ خلافت

والہانہ محبت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

حضرت مولوی محب الرحمٰن صاحب بیان فرماتے ہیں کہ: مَیں حضرت والد صاحب کے ہمراہ ننانوے (1899ء میں) قادیان گیا۔ بٹالہ سے یکّے پرسوار ہو کر ہم قادیان پہنچے، جس وقت یکّہ مہمان خانے کے دروازے پر پہنچا تو والد صاحب یکّہ پر سے کود کر بھاگتے ہوئے چلے گئے۔ یکّے والے نے اسباب باہر نکالا (سامان نکالا) اور مَیں وہاں حیران کھڑا تھا کہ والد صاحب خلافِ عادت اس طرح کود کر بھاگ گئے ہیں۔ کیا وجہ ہے؟ تھوڑے عرصے میں حافظ حامد علی صاحب باہر آئے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ یہ اسباب میاں حبیب الرحمٰن صاحب کا ہے؟ مجھ سے ہاں میں جواب سن کر وہ اسباب مہمان خانے میں لے گئے اور مَیں بھی ساتھ چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد والد صاحب واپس تشریف لے آئے۔ اگلے روز صبح کو بعد نماز فجر والد صاحب مجھے اپنے ہمراہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکان پر لے گئے۔ کمرے کے دروازے پر پہنچنے پر حضرت صاحب نے دروازہ خود کھولا۔ ہم اندر کمرے میں داخل ہوئے جو بیت الفکر کے ساتھ والا کمرہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تخت پوش پر جس کے سامنے ایک میز رکھی تھی اور اس پر بہت ساری کتابیں تھیں، وہاں تشریف فرما ہوئے۔ ہم دونوں ایک چارپائی پر بیٹھ گئے جو قریب میں ہی تھی۔ والد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بہت دیر تک باتیں کیں۔ اس کے بعد والد صاحب نے عرض کیا کہ میں محب الرحمٰن کو بیعت کے لئے لایا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا اس کی تو بیعت ہی ہے۔ (یعنی باپ نے کر لی تو اُس کے ساتھ ہی بچے بھی شامل ہو گئے، اس لئے بیعت تو پہلے ہی ہے) والد صاحب نے عرض کیا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ بیعت کر لے تو دعاؤں میں شامل ہو جائے گا۔ فرمایا اچھا آج شام کو بیعت لے لیں گے۔ چنانچہ اُس دن شام کو بعد نماز مغرب خاکسار نے اور بھی بہت دوستوں کے ساتھ بیعت کی۔ بیعت کرنے کے بعد پھر ایک نیا احساس پیدا ہوا ہے۔ کہتے ہیں اُس وقت مَیں سمجھا کہ والد اُس روز جس دن ہم پہنچے تھے، یکّے سے والہانہ طریق پر اتر کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملنے ہی گئے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ یہ عشق و محبت تھا جس نے انہیں بے چین کیا اور اترتے ہی سیدھے حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ والد صاحب کا معمول تھا کہ قادیان پہنچتے ہی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور روزمرہ صبح کے وقت بھی علیحدگی میں حاضر خدمت ہوتے تھے۔

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہؓ غیر مطبوعہ جلد 9 صفحہ 84-85 روایت مولوی محب الرحمٰن صاحبؓ)

حضرت حاجی محمد موسیٰ صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ: ایک دفعہ میرے لڑکے عبدالمجید نے جس کی عمر اس وقت قریباً چار برس کی تھی۔ اس بات پر اصرار کیا کہ میں نے حضرت صاحب کو چمٹ کر یعنی ''جپھی'' ڈال کر ملنا ہے۔ اُس نے مغرب کے وقت سے لے کر صبح تک یہ ضد جاری رکھی اور ہمیں رات کو بہت تنگ کیا۔ صبح اُٹھ کر پہلی گاڑی میں اُسے لے کر بٹالہ پہنچا اور وہاں سے ٹانگے پر ہم قادیان گئے اور جاتے ہی حضرت صاحب کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ عبدالمجید آپ کو ملنا چاہتا ہے۔ گلے ملنا چاہتا ہے یا ''جپھی'' ڈالنا چاہتا ہے۔ (چھوٹا سا بچہ ہی تھا۔ چار سال عمر تھی) حضورؑ اس موقع پر باہر تشریف لائے اور عبدالمجید آپ کی ٹانگوں کو چمٹ گیا اور اس طرح اُس نے ملاقات کی اور پھر وہ چار سال کا بچہ کہنے لگا کہ ''ہن ٹھنڈ پے گئی اے۔''

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہؓ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر 11 صفحہ 12 روایت حضرت حاجی محمد موسیٰ صاحبؓ)

حضرت میاں عبدالغفار صاحب جرّاحؓ بیان کرتے ہیں کہ: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت صاحب سیڑھیوں سے تشریف لائے اور احمدیہ چوک میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ مجھے یاد ہے کہ حضور نے اپنی سوٹی کمر کے ساتھ لگا کر اُس پر ٹیک لگائی۔ مَیں اُس وقت حضرت خلیفہ اول کے شفاخانے پر کھڑا تھا۔ مَیں نے حضور کو دیکھ کر اپنے والد صاحب کو کہا کہ بابا! حضرت صاحب آ گئے۔ والد صاحب نے کہا: اونچے مت بولو۔ لوگ آواز سن کر دوڑ آئیں گے اور جمگھٹا ہو جائے گا اور ہمیں حضور کی باتیں سننے کا لطف نہیں آئے گا۔ (یہ بھی عشق و محبت کی باتیں ہیں کہ ہمارے درمیان اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان اور لوگ حائل نہ ہو جائیں یا زیادہ لوگ نہ آ جائیں، یا اتنے لوگ پہلے ہی اکٹھے ہو جائیں کہ ہم اُن تک پہنچ نہ سکیں)۔ چنانچہ کہتے ہیں وہ اٹھے۔ حضور سے مصافحہ کیا۔ حضرت صاحب نے میرے والد صاحب کو کہا کہ میاں غلام رسول! کوئی امرتسر کی باتیں بتائیے۔ والد صاحب نے کہا کہ حضور! لوگ درمیان میں اور باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ (جب مَیں غریب آدمی بولنا شروع کروں گا تو اَور لوگ آ جائیں گے۔ دوسری باتیں شروع کر دیں گے۔ میری باتیں بیچ میں رہ جائیں گی) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آج تمہاری ہی بات ہو گی اور کسی کی نہیں ہو گی۔ حضور اُس دن جس طرف محلہ دارالانوار ہے، سیر کے لئے تشریف لے گئے، جہاں اب حضرت صاحب کی کوٹھی بھی ہے۔ جب وہاں پہنچے تو خواجہ کمال الدین صاحب کے سسر خلیفہ رجب الدین صاحب نے کشمیری

بقیہ صفحہ 9 پر

اوصافِ قرآن مجید

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اَجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمہ اصفیٰ نکلا

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالَم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیّر بیضا نکلا

زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں
جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اَعمیٰ نکلا

جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں
جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پتلا نکلا

(درثمین)

خلاصہ خطبہ جمعہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 22؍ اکتوبر 2021ء بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد ٹلفورڈ یو کے

آنحضرت ﷺ کے عظیم المرتبت خلیفۂ راشد فاروقِ اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ

☆...بوقت وفات آپؓ کی عمر مختلف روایات میں ترپن سے لے کر پینسٹھ برس تک بیان کی گئی ہے

☆...5مرحومین: صاحبزادی آصفہ مسعودہ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب، مکرمہ کلارا آپا صاحبہ اہلیہ رولان سائن بائیف صاحب سابق امیر جماعت قزاقستان، مکرم وِنگ کمانڈر عبدالرشید صاحب، مکرمہ زبیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ کریم احمد نعیم صاحب آف امریکہ اور مکرم حفیظ احمد گھمن صاحب کا ذکرِ خیر اور نمازِ جنازہ غائب

امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ 22؍ اکتوبر 2021ء کو مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ، یوکے میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جو مسلم ٹیلی وژن احمدیہ کے توسّط سے پوری دنیا میں نشر کیا گیا۔ جمعہ کی اذان دینے کی سعادت فیروز عالم صاحب کے حصے میں آئی۔تشہد، تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

گذشتہ خطبے میں حضرت عمرؓ کی شہادت کے ضمن میں حضرت عبید اللہ بن عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے باہمی الجھاؤ کا ذکر کیا گیا تھا۔اس سلسلے میں مزید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جب ان دونوں کا الجھاؤ ہوا تب حضرت عثمانؓ ابھی مسندِ خلافت پر فائز نہیں ہوئے تھے۔ پہلے پہل تو حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کا ارادہ تھا کہ وہ مدینے میں موجود تمام قیدیوں اور غلاموں کو قتل کر دیں لیکن مہاجرین صحابہ کے سمجھانے پر وہ اپنے اس ارادے سے رُک گئے۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب ہوگئے تو عبیداللہ بن عمر کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔حضرت علیؓ نے عبید اللہ کے قتل کا مشورہ دیا تاہم دیگر صحابہ نے اس مشورے کے برخلاف رائے دی اور کہا کہ کل حضرت عمرؓ قتل ہوئے ہیں اور آج ان کا بیٹا قتل کر دیا جائے یہ ناقابلِ برداشت شدّت اور سختی ہے۔اس صورتِ حال میں حضرت عثمانؓ نے اپنے مال سے مقتولین کا خون بہا ادا کیا۔

تاریخ طبری کے مطابق حضرت عثمانؓ نے قصاص کے طور پر عبیداللہ کو ہرمزان کے بیٹے کے سپرد کر دیا تھا۔ جب وہ عبیداللہ کو قتل کرنے کے لیے لے جانے لگا تو لوگوں نے بار بار اس سے عبیداللہ کو چھوڑ دینے کی درخواست کی۔جس پر ہرمزان کے بیٹے نے خدا اور ان لوگوں کی خاطر عبیداللہ کو چھوڑ دیا۔کیا مقتول معاہد کافر کے بدلے میں مسلمان قاتل کو سزا دی جا سکتی ہے، اس مسئلے کے حل کے لیے حضرت مصلح موعودؓ نے اس واقعے کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے ثابت ہے کہ صحابہ کا طریقِ عمل یہی تھا کہ وہ غیر مسلم کے مسلم قاتل کو سزائے قتل دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے الحاح اور عجز وانکسار کا یہ حال تھا کہ آپؓ نے وفات کے وقت اپنے بیٹے کو کہا کہ میرے کفن اور میری قبر میں میانہ روی سے کام لینا۔ مجھے کستوری وغیرہ سے غسل نہ دینا، میرے جنازے کے ساتھ کسی عورت کو نہ لے کر جانا اور میری ایسی تعریف نہ کرنا جو مجھ میں نہیں۔ جب حضرت ابنِ عباسؓ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی اور کہا کہ اللہ نے آپ کے ذریعے نئے شہر آباد کیے، بہت سی فتوحات عطا کیں آپؓ نے فلاں فلاں کام کیے۔حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو فرمایا کہ میری تو تمنّا ہے کہ اس حال میں دنیا سے جاؤں کہ نہ میرے لیے کوئی اجر ہو اور نہ کوئی بوجھ یعنی نہ مجھ پر کچھ عذاب ہو اور نہ میرے لیے کوئی ثواب۔ جب حضرت عمرؓ فوت ہونے لگے تو اُن کی آنکھیں نم ہوگئیں اور وہ کہتے تھے کہ خدایا! مَیں کسی انعام کا مستحق نہیں ہوں مَیں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ سزا سے بچ جاؤں۔

حضرت عمرؓ کی نمازِ جنازہ حضرت صہیبؓ نے پڑھائی اور آپ کو قبر میں اتارنے والوں میں حضرت عثمانؓ، سعید بن زیدؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہؓ اور بعض دیگر جیّد صحابہ شامل تھے۔ بوقتِ وفات آپؓ کی عمر مختلف روایات میں ترپن سے لے کر پینسٹھ برس تک بیان کی گئی ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ صلحا کے پہلو میں دفن بھی ایک نعمت ہے۔ جو شخص بکمال شوق اللہ کے دامن سے وابستہ ہوجاتا ہے تو وہ اسے ضائع نہیں کرتا۔ ابوبکر اور عمر کے صدق وخلوص کی کیا بلند شان ہے کہ وہ دونوں ایسے مبارک مدفن میں دفن ہوئے کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو بصد شوق وہاں دفن ہونے کی تمنّا کرتے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ فوت ہونے لگے تو انہوں نے اس بات کے لیے بڑی تڑپ ظاہر کی کہ آپ کو رسولِ کریم ﷺ کے قدموں میں جگہ مل جائے۔حضرت عمرؓ وہ انسان تھے جن کے متعلق عیسائی مؤرخ بھی لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایسی حکومت کی جو دنیا میں اور کسی نے نہیں کی۔ عیسائی مؤرخ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں لیکن حضرت عمر کی تعریف کرتے ہیں۔ ایسا شخص ہر وقت کی صحبت میں رہنے والا مرتے وقت بھی حسرت رکھتا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کے قدموں میں اسے جگہ مل جائے۔

حضرت عمرؓ کے جسدِ اطہر کے سرہانے کھڑے ہو کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپؓ نے کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جو آپ سے بڑھ کر مجھے اس لحاظ سے پیارا ہو کہ مَیں اس کے اعمال جیسے عمل کروں۔ اللہ کی قسم! مجھے اس چادر میں لپٹے ہوئے انسان سے زیادہ روئے زمین پر کوئی شخص پسند نہیں۔ مَیں نے نبی کریم ﷺ سے بہت دفعہ سنا ہے کہ آپؐ فرمایا کرتے کہ مَیں اور ابوبکر اور عمر داخل ہوئے، مَیں اور ابوبکر اور عمر نکلے۔یعنی یوں آپؐ مختلف فقرات فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عمرؓ کی وفات پر فرمایا کہ آپؓ اسلام کے لیے حصنِ حصین تھے۔ اگر آپ کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور باقی تمام انسانوں کا علم دوسرے پلڑے میں تو حضرت عمرؓ کا پلڑا بھاری ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے دَور میں اسلام کی مثال اس شخص کی طرح تھی جو مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا حضرت عمر حق کے لیے سخی اور باطل کے لیے بخیل تھے۔ آپ کی وفات پر سعید بن زید نے روتے ہوئے فرمایا کہ عمر کی وفات سے اسلام میں ایسا رخنہ پیدا ہوگیا ہے جو قیامت تک پُر نہیں ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے مختلف وقتوں میں دس شادیاں کیں جن سے نَو بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

مشہور مستشرق ایڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی پرہیز گاری اور عاجزی حضرت ابوبکرؓ سے کم نہ تھی۔ آپ کے کھانے میں جَو کی روٹی اور کھجوریں ہی ہوتیں، پانی آپ کا مشروب تھا۔

مائیکل ایچ ہارٹ نے اپنی کتاب The Hundred میں حضرت عمرؓ کا ذکر باون نمبر پر کیا ہے۔ یہ لکھتا ہے کہ حضرت عمر غالباً مسلمانوں کے سب سے عظیم خلیفہ تھے۔عمر 634ء میں خلیفہ بنے اور 644ء تک اقتدارِ خلافت میں رہے۔حضرت عمر کا دس سالہ دَورِ خلافت ہی تھا جس میں عربوں نے سب سے اہم فتوحات حاصل کیں۔جس قدر حضرت عمرؓ کی فتوحات کی وسعت کی اہمیت ہے اسی قدر ان فتوحات کی پائیداری بھی اہم ہے۔عمر کی کامیابیاں بلاشبہ متاثر کُن ہیں۔محمد ﷺ کے بعد آپ اسلام کے پھیلاؤ میں کلیدی شخصیت تھے۔عمر کے دَور میں عربوں کی فتوحات شارلیمن اور جولیس سیزر کے مقابلے میں بلحاظ حجم اور وقت کے بہت زیادہ اہم ہیں۔

پروفیسر فلپ کے ابے ٹی لکھتے ہیں کہ سادہ، کفایت شعار اور آپؓ کے متحرک اور باصلاحیت جانشین عمر بلند قامت اور مضبوط جسم والے تھے۔ آپ نے ایک بادیہ نشین کی طرح سادگی سے زندگی گزاری۔ آپ کا بلند وبالا کردار تمام باضمیر جانشینوں کے لیے پیروی کا نمونہ بن گیا۔

حضرت عمرؓ کا ذکر آئندہ جاری رہنے کا ارشاد فرمانے کے بعد حضورِانور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے درج ذیل مرحومین کا ذکرِ خیر اور نمازِ جنازہ غائب پڑھانے کا اعلان فرمایا۔

1۔صاحبزادی آصفہ مسعودہ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب جو گذشتہ دنوں 92 سال کی عمر میں وفات پاگئیں۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔آپ حضرت مسیح موعودؑ کی نواسی، حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔حضورِانور نے فرمایا کہ مجھ سے ان کے مختلف رشتے تھے یہ میری دادی کی بہن بھی تھیں، رشتے میں خالہ اور پھوپھی بھی بنتی تھیں۔ان سب رشتوں کے باوجود کہتیں کہ مَیں بس خلیفہ وقت کی تابع دار ہوں۔ ان کے پسماندگان میں ایک بیٹا اور چار بیٹیاں شامل ہیں۔مرحومہ غریبوں، ماتحتوں، ملازموں اور رشتے داروں کا بے حد خیال رکھنے والی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابند، خلافت کی مطیع اور عاشق، بہت مخیّر خاتون تھیں۔عبادات اور مالی قربانیوں میں بہت بڑھی ہوئی تھیں۔

2۔ مکرمہ کلارا آپا صاحبہ اہلیہ رولان سائن بائیف صاحب سابق امیر جماعت قزاقستان۔ آپ گذشتہ ماہ وفات پا گئی تھیں۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔مرحومہ نے 1994ء یا 1995ء میں بیعت کی تھی۔ آپ بہت اچھی مترجم اور مصنفہ تھیں،انہیں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کی سعادت بھی عطا ہوئی۔ آپ جماعت قزاقستان کی نہایت متحرک ممبر اور سرپرست تھیں۔

3۔ مکرم وِنگ کمانڈر عبدالرشید صاحب جو گذشتہ ماہ وفات پاگئے تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے انہیں لیبیا کا پہلا امیر جماعت مقرر فرمایا تھا۔مرحوم عبادت گزار، تلاوت قرآن کریم کرنے والے، چندہ جات میں باقاعدہ، غریبوں کا خیال کرنے والے اور خلافت سے بڑا گہرا اطاعت کا تعلق رکھنے والے تھے۔

4۔مکرمہ زبیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ کریم احمد نعیم صاحب آف امریکہ۔ جن کی گذشتہ ماہ وفات ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کی چھوٹی بہو تھیں۔مرحومہ تہجد گزار، دعا گو، خلافت کی شیدائی، مخلص، غریب پرور خاتون تھیں۔ آپ شہید ڈاکٹر عبدالمنان صدیقی صاحب کی ساس تھیں۔

5۔مکرم حفیظ احمد گھمن صاحب جو گذشتہ دنوں وفات پاگئے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔مرحوم قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کا خاص شوق رکھتے تھے۔ آپ ہمدردی خلق میں بڑھے ہوئے،وقت کے بے حد پابند، دینی خدمت کرنے والے، سادہ مزاج اور محنتی شخصیت کے مالک تھے۔

حضورِانور نے تمام مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے دعا کی۔

(بشکریہ الفضل انٹرنیشنل)

خطبہ جمعہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ یکم اکتوبر 2021ء بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد ٹلفورڈ یوکے

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ دُور دراز علاقوں کی سرحدوں کو چھونے لگا۔ اسلامی سلطنت مشرق میں دریائے جیحون اور دریائے سندھ سے لے کر مغرب میں افریقہ کے صحراؤں تک اور شمال میں ایشیائے کوچک کے پہاڑوں اور آرمینیا سے لے کر جنوب میں بحرا لکاہل اور نوبہ تک ایک عالمی ملک کی شکل میں دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم المرتبت خلیفۂ راشد فاروقِ اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ

جنگِ فَرَمَا، فتحِ بِلْبِیْس، فتحِ اُمِّ دُنَین، معرکہ فُسْطَاط، تسخیرِ اسکندریہ، فتحِ بَرْقَہ و طرابلس وغیرہ کا تفصیلی بیان
نیز مستشرقین کی جانب سے حضرت عمرؓ کے حکم پر اسکندریہ کی لائبریری جلانے کے واقعہ کا تفصیلی تجزیہ

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک موقع پر ایک تقریر میں تبلیغ کے بارے میں جب بیان فرما رہے تھے تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی وفات کے بعد جو لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں اکثر اوقات مسلمانوں کی قلت ہوتی تھی۔

شام کی لڑائی

میں سپاہیوں کی بہت کمی تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ دشمن بہت زیادہ تعداد میں ہے۔ اس لئے اَور فوج بھیجنے کا بندوبست فرمادیں۔ حضرت عمرؓ نے جائزہ لیا تو آپؓ کو نئی فوج کا بھرتی کرنا ناممکن معلوم ہوا کیونکہ عرب کے اِردگرد کے قبائل کے نوجوان یا تو مارے گئے تھے یا سب کے سب پہلے ہی فوج میں شامل تھے۔ آپؓ نے مشورہ کے لئے ایک جلسہ کیا اور اس میں مختلف قبائل کے لوگوں کو بلایا اور ان کے سامنے یہ معاملہ رکھا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک قبیلہ ایسا ہے جس میں کچھ آدمی مل سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک افسر کو حکم دیا کہ وہ فوراً اس قبیلہ میں سے نوجوان جمع کریں اور حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ چھ ہزار سپاہی تمہاری مدد کے لئے بھیج رہا ہوں جو چند دنوں تک تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ تین ہزار آدمی تو فلاں فلاں قبائل میں سے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے اور باقی تین ہزار کے برابر عَمرو بنِ مَعْدِی کَرِب کو بھیج رہا ہوں۔‘‘ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ ’’ہمارے ایک نوجوان کو اگر تین ہزار آدمی کے مقابلہ میں بھیجا جائے تو وہ کہے گا کہ کیسی خلافِ عقل بات ہے۔ کیا خلیفہ کی عقل ماری گئی ہے۔ ایک آدمی کبھی تین ہزار کا مقابلہ کرسکتا ہے! لیکن ان لوگوں کے ایمان کتنے مضبوط تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کو حضرت عمرؓ کا خط ملا تو انہوں نے خط پڑھ کر اپنے سپاہیوں سے کہا خوش ہوجاؤ کل عَمرِوبنِ مَعْدِی کَرِب تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ سپاہیوں نے اگلے دن بڑے جوش کے ساتھ عَمرو بنِ مَعْدِی کَرِب کا استقبال کیا اور نعرے لگائے۔ دشمن سمجھا کہ شاید مسلمانوں کی مدد کے لئے لاکھ دو لاکھ فوج آرہی ہے اس لئے وہ اِس قدر خوش ہیں حالانکہ وہ اکیلے عَمرو بنِ مَعْدِی کَرِب تھے۔ اس کے بعد وہ تین ہزار فوج بھی پہنچ گئی اور مسلمانوں نے دشمن کو شکست دی حالانکہ تلوار کی لڑائی میں ایک آدمی تین ہزار کا کیا مقابلہ کرسکتا ہے۔‘‘ فرماتے ہیں کہ ’’زبان کی لڑائی میں تو ایک آدمی بھی کئی ہزار لوگوں کو اپنی بات پہنچا سکتا ہے مگر وہ لوگ خلیفۂ وقت کی بات کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے عَمرو بنِ مَعْدِی کَرِب کو تین ہزار سپاہیوں کا قائم مقام بنا کر بھیجا تو سپاہیوں نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ اکیلا آدمی کس طرح تین ہزار کا مقابلہ کرسکتا ہے بلکہ اسے تین ہزار کے برابر ہی سمجھا اور بڑی شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا۔ مسلمانوں کے اِس استقبال کی وجہ سے دشمن کے دل ڈر گئے اور وہ یہ سمجھے کہ شاید لاکھ دو لاکھ فوج مسلمانوں کی مدد کو آگئی ہے اس لئے میدانِ جنگ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔‘‘ آپؓ فرماتے ہیں کہ ’’سردست ہمیں بھی اس طرح اپنے دل کو اطمینان دینا ہوگا۔‘‘

(سپین اور سسلی میں تبلیغِ اسلام اور جماعت احمدیہ۔ انوار العلوم جلد 18 صفحہ 359-360)

یہ آپؓ بتا رہے تھے کہ یورپ میں سپین میں اور سسلی وغیرہ میں تبلیغ کس طرح کرنی ہے۔ اس ضمن میں یہ واقعہ بیان کیا۔ اب

فتوحاتِ مصر

کا ذکر کرتا ہوں۔ اس میں ایک جنگِ فَرَمَا تھی۔ ’فَرَمَا‘ مصر کا ایک مشہور شہر تھا۔ یہ بحیرہ روم اور پَلُوْزِی کے دہانے کے قریب جو دریائے نیل کی سات شاخوں میں سے ایک شاخ تھی ایک پہاڑی پر آباد تھا۔

(سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل مترجم حبیب اشعر صفحہ 556-557 اسلامی کتب خانہ اردو بازار کراچی)

علامہ شبلی نعمانی کے مطابق بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت عَمرو بن عاصؓ کے اصرار پر حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو چار ہزار کا لشکر دے کر مصر کی طرف روانہ کیا لیکن ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ اگر مصر پہنچنے سے پہلے میرا خط ملے تو واپس لوٹ آنا۔ عَرِیْش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا اس لیے حضرت عمروؓ نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آچکے ہیں اور عَرِیْش سے چل کر فَرَمَا پہنچے۔

(ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 160 دار الاشاعت کراچی 1991ء)

اسلامی جنگوں پر مشتمل ایک کتاب ہے اَلْاِکْتِفَاء۔ اس میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمرو بن عاصؓ رَفَحْ مقام تک پہنچے تو آپؓ کو حضرت عمرؓ کا خط ملا تھا لیکن آپؓ نے اس ڈر سے کہ اس خط میں واپس لوٹنے کا حکم نہ ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا قاصد سے خط نہ لیا اور چلتے رہے یہاں تک کہ آپ رَفَحْ اور عَرِیْش کے درمیان ایک چھوٹی بستی میں پہنچے اور اس کے متعلق پوچھا۔ بتایا گیا کہ یہ مصر کی حدود میں ہے۔ پس آپؓ نے خط منگوایا اور اسے پڑھا اور اس میں لکھا تھا کہ آپ کے ساتھ جو مسلمان ہیں انہیں لے کر واپس لوٹ آئیں تو آپ نے اپنے ہمراہ لوگوں سے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ مصر میں ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ تو آپؓ نے کہا کہ امیر المومنینؓ نے حکم دیا ہے کہ اگر مجھے ان کا خط مصر کی سرزمین تک پہنچنے سے پہلے مل جائے تو میں واپس لوٹ آؤں اور مجھے یہ خط مصر کی سرزمین میں داخل ہونے کے بعد ملا ہے۔ پس اللہ کا نام لے کر چلو۔ اور ایک اَور روایت میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ فلسطین میں تھے اور وہ بلا اجازت اپنے ساتھیوں کو لے کر مصر چلے گئے۔ یہ بات حضرت عمرؓ کو ناگوار گزری۔ پس حضرت عمرؓ نے انہیں خط لکھا۔ حضرت عمرؓ کا خط حضرت عَمروؓ کو اس وقت ملا جب وہ عَرِیْش کے قریب تھے۔ پس آپ نے وہ خط نہ پڑھا یہاں تک کہ آپ عَرِیْش پہنچ گئے۔ پھر آپ نے خط پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ عمر بن خطابؓ کی طرف سے عمرو بن عاصؓ کے نام۔ اَمَّا بَعْدُ، یقیناً تم مصر اپنے ساتھیوں کے ساتھ گئے ہو اور وہاں رومیوں کی بڑی تعداد ہے اور تمہارے ساتھ تھوڑے لوگ ہیں۔ میری عمر کی قسم! اللہ تمہارا بھلا کرے۔ بہتر ہوتا اگر تم انہیں ساتھ نہ لے جاتے۔

پس اگر تم مصر نہیں پہنچے تو واپس لوٹ آؤ۔

(الاکتفاء بما تضمنه من مغازی رسول اللہؐ... جلد۲ صفحہ ۳۲۴-۳۲۵ استخلاف عمر بن الخطاب۔ دار الکتب العلمیة بیروت ۱۴۲۰ھ)

اس سفر میں فَرَمَا سے پہلے اسلامی لشکر کی کسی بھی رومی سپاہی سے ملاقات نہ ہوئی تھی بلکہ جگہ جگہ مصریوں نے ان کا استقبال کیا تھا اور سب سے پہلے فرما میں محاذ آرائی ہوئی تھی۔ یہ تو مختلف روایتیں ہیں لیکن وہی روایت صحیح لگتی ہے کہ عَرِیش مصر کی حدود میں پہنچنے کے بعد ان کو خط ملا۔ نہیں تو یہ نہیں ہوسکتا کہ بہانے بنائے جائیں کہ ہم مصر پہنچیں گے تو خط کھولوں گا۔ بہرحال جب وہ مصر پہنچ گئے تھے تو پھر آگے بڑھنا تھا کیونکہ پھر مومن کا قدم پیچھے نہیں اٹھتا۔ رومیوں نے یہ خبر پا کر کہ حضرت عمروؓ کے ساتھ آنے والی فوج معمولی تعداد اور ناقابلِ ذکر جنگی تیاریوں میں ہے زیادہ دنوں تک محاصرہ نہیں کر سکتے جبکہ ہم ان سے زیادہ تعداد رکھتے ہیں اور اس کی تیاری کر رہے ہیں اور انہیں پست کر کے لے جائیں گے۔ تو رومیوں نے یہ خیال کیا اور وہ شہر میں قلعہ بند ہو گئے۔ ادھر حضرت عمرو بن عاصؓ کو رومیوں کی عسکری قوت کا علم ہو چکا تھا کہ اسلحہ اور تعداد میں کئی گنا ہم پر بھاری ہیں۔ چنانچہ آپؓ نے فَرَمَا پر قابض ہونے کے لیے منصوبہ بنایا کہ اچانک حملہ کر کے فصیل کے دروازوں کو کھول دیا جائے یا پھر اس وقت تک صبر کے ساتھ محاصرہ جاری رکھا جائے جب تک کہ شہریوں کی خوراک ختم نہ ہو جائے اور بھوک سے بے تاب ہو کر باہر نہ نکل آئیں۔ چنانچہ محاصرہ کر لیا۔ ادھر مسلمانوں کا محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا تھا اور ادھر رومی بھی اپنی ضد سے پیچھے نہ ہٹ رہے تھے۔ اس طرح محاصرہ کئی مہینے جاری رہا۔ کبھی کبھی رومی فوج باہر آتی اور دو چار جھڑپیں کر کے پیچھے ہٹ جاتی۔ ان جھڑپوں میں مسلمان ہی غالب رہتے۔ ایک دن رومی افواج کی ایک جماعت بستی سے باہر نکل کر مسلمانوں سے لڑنے نکلی۔ مقابلہ میں مسلمان غالب رہے اور رومی ہزیمت کھا کر بستی کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور دوڑنے میں کافی تیزروی کا ثبوت دیا اور کچھ لوگوں نے دروازوں تک رومیوں کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر فصیل کا دروازہ کھول دیا اور فتح مبین کا رستہ صاف کر دیا۔

(ماخوذ از سیدنا عمر بن خطاب از الصلابی، مترجم اردو صفحہ 755,756 الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ پاکستان)

فتح بِلْبِیس

یہ کس طرح ہوئی۔ فَرَمَا کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے بِلْبِیس کا رخ کیا تو رومی فوج نے آپؓ کا راستہ روک لیا۔ بِلْبِیس فُسْطَاط سے تقریباً تیس میل دور شام کے رستے پر ایک شہر ہے۔ بہرحال رستہ روک لیا تا کہ مسلمان بَابِلْیُون کے قلعہ تک نہ پہنچ سکیں۔ بَابِلْیُون نام قدیم لغت میں دیارِ مصر کے لیے استعمال ہوتا ہے بالخصوص جہاں فُسْطَاط آباد ہوا اسے پہلے بَابِلْیُون کہا جاتا تھا۔ رومی فوج یہیں لڑنا چاہتی تھی لیکن حضرت عمرو بن عاصؓ نے ان سے کہا تم اس وقت تک جلدی نہ کرو جب تک ہم اپنی بات تمہارے سامنے رکھ نہ دیں تا کہ کل عذر و معذرت کی کوئی بات نہ رہ جائے۔ پھر کہا کہ تم اپنے پاس سے ابومریم اور اَبُومَرْیَام کو میرے پاس سفیر بنا کر بھیجو۔ چنانچہ وہ لوگ لڑنے سے رک گئے اور ان دونوں سفیروں کو بھیج دیا۔ یہ دونوں سفیر اہلِ بِلْبِیس کے راہب تھے۔ حضرت عمروؓ نے ان کے سامنے اسلام لانے یا جزیہ دینے کی تجویز رکھی اور ساتھ اہلِ مصر کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی پیش کیا کہ تم مصر کو فتح کرو گے۔ وہ ایسا ملک ہے جہاں قیراط کا نام چلتا ہے۔ پس جب تم اسے فتح کر چکو تو اس کے رہنے والوں سے احسان کا سلوک کرنا کیونکہ ان کے لیے ذمہ داری اور صلہ رحمی ہے یا فرمایا کہ ذمہ داری اور مُصاہَرت ہے۔ ان دونوں سفیروں نے یہ بات سن کر کہا یہ بہت دور کا رشتہ ہے، اسے انبیاء ہی پورا کر سکتے ہیں۔ ہمیں جانے دو۔ ہم واپس آ کے بتائیں گے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا مجھ جیسے شخص کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا ہے۔ میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں آپ لوگ اچھی طرح معاملے پہ غور کر لیں۔ دونوں سفیروں نے کہا کہ ایک دن کی اَور مہلت دے دیں۔ آپ نے انہیں مزید ایک دن کی مہلت دے دی۔ دونوں سفیر لوٹ کر قِبْطِیُو کے سردار مُقَوْقِس اور شاہِ روم کی طرف سے مصر کے حاکم اَرْطَبُون کے پاس آئے اور مسلمانوں کی بات ان کے سامنے رکھی۔ اَرْطَبُون نے ماننے سے انکار کر دیا اور جنگ کا پختہ ارادہ کر کے راتوں رات اس نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اَرْطَبُون کے اس لشکر کی تعداد بارہ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اس معرکے میں شہید ہوئی اور رومیوں کے ایک ہزار سپاہی قتل اور تین ہزار سپاہی گرفتار ہوئے اور اَرْطَبُون میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور بعض نے کہا کہ وہ اسی جنگ میں مارا گیا۔ مسلمانوں نے اسے اس کے لشکر سمیت اسکندریہ تک شکست دی۔

مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان بِلْبِیس میں ایک مہینہ تک رہے۔ اس دوران لڑائی ہوتی رہی اور آخر میں فتح مسلمانوں کو ہوئی لیکن اس امر میں ان کا اختلاف ہے کہ یہ جنگ شدید تھی یا کم۔

(سیدنا عمر بن خطاب از صلابی مترجم صفحہ 757-758 مطبوعہ الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ پاکستان)
(ماخوذ از حضرت عمر فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل مترجم حبیب اشعر صفحہ 564-565 اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور)
(الاکتفاء بما تضمنه من مغازی رسول اللہؐ... جزء2 صفحہ 346 دار الکتب العلمیة بیروت 1420ھ)
(معجم البلدان جلد1 صفحہ 567 بِلْبِیس۔ دار الکتب العلمیة بیروت)
(اٹلس فتوحات اسلامیہ جلد 2 صفحہ 225 دار السلام الریاض 1428ھ)

اس جنگی کشمکش کے دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو

مسلمانوں کی دانش مندی اور اخلاقی برتری کی دلیل

ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ جب بِلْبِیس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی تو اس میں مُقَوقِس کی لڑکی گرفتار ہوئی جس کا نام اَرْمَانُوسَہ تھا۔ وہ اپنے باپ کی چہیتی بیٹی تھی۔ اس کا باپ قُسْطَنْطِیْن بِن ہِرَقْل سے اس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس شادی پر راضی نہیں تھی۔ اس لیے وہ اپنی خادمہ کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے بِلْبِیس آئی ہوئی تھی۔ بہرحال جب مسلمانوں نے اسے گرفتار کیا تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے تمام صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس بلائی اور انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنایا کہ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن:61) کیا احسان کی جزا احسان کے سوا کچھ اَور بھی ہوسکتی ہے؟ پھر اس آیت یعنی هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کے حوالے سے کہا کہ مُقَوقِس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ بھیجا تھا۔ میری رائے ہے کہ اس لڑکی اور اس کے ساتھ جو دیگر خواتین ہیں اور اس کے خدمت گزار ہیں اور جو مال ہمیں ملا ہے وہ سب کچھ مُقَوقِس کے پاس بھیج دو۔ سب نے عمرو بن عاصؓ کی رائے کو درست قرار دیا۔ پھر عمرو بن عاصؓ نے مُقَوقِس کی بیٹی اَرْمَانُوسَہ کو اس کے تمام جواہرات، دیگر خواتین اور خدمت گزاروں کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے اس کے باپ کے پاس بھیج دیا۔ واپس ہوتے ہوئے اس کی خادمہ نے اَرْمَانُوسَہ سے کہا ہم ہر طرف سے عربوں کے گھیرے میں ہیں۔ اَرْمَانُوسَہ نے کہا میں عربی خیمے میں جان اور عزت کو محفوظ سمجھتی ہوں لیکن اپنے باپ کے قلعہ میں اپنی جان کو محفوظ نہیں سمجھتی۔ پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس پہنچی تو اس کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔

(سیدنا عمر بن خطاب از علی محمد صلابی، اردو مترجم صفحہ 758-759 مطبوعہ الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ پاکستان)

پھر

اُمّ دُنَیْن

ایک جگہ ہے، وہاں کی فتح کا ذکر ہے۔ بِلْبِیس کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ صحرا کی سرحد پر پیش قدمی کرتے ہوئے اُمّ دُنَیْن کی بستی کے قریب جا پہنچے جو دریائے نیل پر خلیج تراجان کے منبع کے پاس واقع تھی۔ یہ خلیج سویز کے قریب شہر مصر کو بحیرہ روم سے ملاتی تھی جہاں آج کل قاہرہ کا محلہ ازبکیہ ہے وہیں اس زمانے میں اُمّ دُنَیْن کی بستی تھی جسے رومیوں نے قلعہ بند کر رکھا تھا۔ اس کے قریب دریائے نیل کا گھاٹ تھا اور اس گھاٹ پر بہت سی کشتیاں کھڑی رہتی تھیں۔ یہ بستی بَابِلْیُون کے شمال میں تھی جو شہر مصر کا سب سے بڑا قلعہ تھا۔ اس لحاظ سے اُمّ دُنَیْن کو مصریوں کے اس محبوب علاقے کی، جو گذشتہ زمانوں کے فرعونوں کا دارالحکومت بھی رہ چکا تھا، سب سے پہلی دفاعی چوکی کہا جا سکتا ہے۔ اُمّ دُنَیْن کے قریب جا کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے قلعہ بَابِلْیُون میں اپنی بہترین فوج پہنچا دی تھی اور اُمّ دُنَیْن کے قلعہ کو خوب اچھی طرح مضبوط کر کے جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ جاسوسوں کی خبروں سے حضرت عمرو بن عاصؓ کو اندازہ ہو گیا کہ ان کی فوج قلعہ بَابِلْیُون کی فتح یا اس کے محاصرے کے لیے ناکافی ہے۔ انہوں نے ایک قاصد کے ہاتھ ایک خط مدینہ بھیجا اور اس میں اپنے سفرِ مصر کے حالات، قلعوں کی تفصیلات اور ان پر حملہ کرنے کے لیے کمک کی ضرورت کا اظہار کیا۔ ادھر فوج میں یہ اعلان کرا دیا کہ امدادی فوجیں بہت جلد پہنچنے والی ہیں۔ اس کے بعد اُمّ دُنَیْن کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر کے قلعہ میں غذائی اور فوجی ضروریات کے سامان کی رسد روک دی۔ قلعہ بَابِلْیُون میں جو رومی تھے انہوں نے ادھر آنے کی کوشش نہ کی کیونکہ بِلْبِیس میں اَرْطَبُون کا حشر دیکھ چکے تھے اور وہ جانتے تھے کہ عربوں سے کھلے میدان میں لڑنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اُمّ دُنَیْن کی فوجیں البتہ کبھی کبھار نکلتیں اور ناکام جھڑپوں کے بعد واپس ہو جاتیں۔ کئی ہفتے اسی طرح گزر گئے۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ بارگاہ خلافت سے پہلی امدادی فوج روانہ کر دی گئی اور وہ آج کل میں پہنچا چاہتی ہے۔ اس

خبر سے مسلمانوں کی ہمت اور طاقت میں اضافہ ہوگیا۔

(حضرت عمر فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل مترجم حبیب اشعر صفحہ 567-570 اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور)

حضرت عمرؓ نے اسلامی لشکر کی مدد کے لیے چار ہزار سپاہی بھیجے۔حضرت عمرؓ نے ہر ہزار آدمی پر ایک امیر مقرر کیا۔ان امراء کے نام حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ، حضرت عُبادہ بن صامتؓ اور حضرت مَسْلَمَہ بن مُخَلَّدؓ تھے۔ایک قول کے مطابق حضرت مَسْلَمَہ بن مُخَلَّدؓ کی جگہ خَارِجَہ بن حُذَافَہ امیر تھے۔حضرت عمرؓ نے یہ کمک بھیجنے کے ساتھ حضرت عمرو بن عاصؓ کو خط لکھا کہ اب تمہارے ساتھ بارہ ہزار مجاہدین ہیں۔یہ تعداد کمی کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہو گی۔ رومی جنگجو قبطیوں کو ساتھ لے کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے۔ دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی۔حضرت عمرو بن عاصؓ نے حکمت عملی سے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کو جَبَلِ اَحْمَر کے قریب ایک جگہ پر ٹھہرا دیا۔ دوسرے حصے کو اُم دُنَین کے قریب دریائے نیل کے کنارے ایک جگہ پر ٹھہرا دیا اور فوج کا بقیہ حصہ لے کر دشمن کے مقابلے پر نکلے۔جس وقت دونوں فوجوں میں سخت لڑائی ہو رہی تھی جَبَلِ اَحمَر میں چھپی فوج نے نکل کر پیچھے سے حملہ کر دیا جس سے دشمن کا فوجی نظام درہم برہم ہوگیا اور وہ اُم دُنَین کی طرف بھاگے۔ وہاں اسلامی فوج کا دوسرا حصہ تیار تھا۔ اس نے ان کا راستہ روک دیا۔ اس طرح رومی فوج مسلمانوں کی تینوں فوجوں کے درمیان پھنس گئی اور دشمن کو شکست ہوئی۔

(سیدنا عمر بن خطابؓ از علی محمد الصلابی مترجم صفحہ 759 مطبوعہ الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ پاکستان)

متفرق فتوحات کے بارے میں ذکر ہے کہ اُم دُنَین کی فتح کے بعد سب سے پہلے فَیُّوم کے علاقے پر حضرت عمرو بن عاصؓ نے فتح حاصل کی اور اس علاقے کا سردار اس لڑائی میں قتل ہوگیا۔

(ماخوذ از سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل مترجم حبیب اشعر صفحہ 571-572 اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور)

پھر عَیْنُ الشَّمس میں مسلمانوں کا رومیوں سے مقابلہ ہوا۔ اس سے قبل آٹھ ہزار مجاہدین کا لشکر بطور کمک حضرت عمرو بن عاصؓ سے آملا جس کی کمان حضرت زبیر بن عوامؓ کے ہاتھ میں تھی اور اس میں حضرت عُبادہ بن صامتؓ، حضرت مِقداد بن اسودؓ اور مَسْلَمَہ بن مُخَلَّدؓ وغیرہ بھی تھے۔اس جنگ میں بھی مسلمانوں نے فتح حاصل کی۔ اس کے بعد فَیُّوم کے پورے صوبہ پر مسلمانوں نے فتح حاصل کی۔مسلمانوں کی فوج کے ایک حصہ نے صوبہ مَنُوْفِیَہ کے دو شہروں اِثْرِیْب اور مَنُوف پر فتح پائی۔

(سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل مترجم حبیب اشعر صفحہ 573 و 579 اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور)
(اٹلس فتوحات اسلامیہ جلد 2 صفحہ 229 دار السلام الریاض 1428ھ)

معرکہ قلعہ بَابِلْیُون یا فُسطَاط کی فتح

کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ اُم دُنَین کی فتح کے بعد قلعہ بَابِلْیُون کی طرف بڑھے اور اس کا زبردست محاصرہ کیا۔ اب اس علاقے کا نام فُسْطَاط ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عربی میں خیمے کو فُسْطَاط کہتے ہیں۔حضرت عمرو بن عاصؓ نے قلعہ کو فتح کرنے کے بعد جب یہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا تو اتفاق سے ایک کبوتر نے حضرت عمروؓ کے خیمے میں گھونسلا بنالیا تھا۔ جب ان کی نظر اس پر پڑی تو انہوں نے حکم دیا کہ اس خیمے کو یہیں رہنے دو اور حضرت عمروؓ نے اسکندریہ سے واپس آ کر اسی خیمے کے قریب شہر بسایا اس لیے یہ شہر فُسْطَاط کے نام سے مشہور ہوگیا۔

(ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 150-151 دار الاشاعت کراچی 2004ء)

قلعہ میں محافظ دستے کی تعداد کا اندازہ پانچ سے چھ ہزار تک لگایا جاتا تھا اور وہ ہر طرح سے مسلّح تھے۔ حضرت عمروؓ نے قلعہ بَابِلْیُون کا محاصرہ شروع کیا۔ اسکندریہ کے بعد یہ بہت مضبوط قلعہ تھا اور پکی اینٹوں سے بنایا ہوا تھا اور چاروں طرف سے دریائے نیل کے پانیوں سے گھرا ہوا تھا چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہاز اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آ کر لگتی تھیں اس لیے سرکاری ضرورتوں کے لیے نہایت مناسب مقام تھا۔عرب اس مضبوط قلعہ پر حملہ کرنے کے لیے ضروری آلات سے لیس نہ تھے نہ وہ اس کے لیے تیار تھے۔

(سیرت عمر فاروقؓ از محمد رضا صفحہ 264-265 مکتبہ اسلامیہ 2010ء)

حضرت عمروؓ نے اوّل اس کا محاصرہ کرنے کی تیاریاں کر لیں۔ مُقَوقِس جو مصر کا فرمانروا تھا وہ حضرت عمرو بن عاصؓ سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔حضرت زبیرؓ نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں ضرورتیں تھیں مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور سپاہی متعین کیے۔ یہ محاصرہ مسلسل سات ماہ تک جاری رہا اور فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا۔

(ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 150 دار الاشاعت کراچی 2004ء)

اس دوران رومی فوج کبھی کبھی قلعہ سے باہر آ کر جنگ بھی کرتی لیکن پھر واپس چلی جاتی۔ اس دوران مُقَوقَس اپنے سفیروں کو مصالحت اور دھمکانے کی غرض سے حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس بھیجتا رہا۔حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت عُبادہ بن صامتؓ کو بھیجا اور مصالحت کرنے کے لیے صرف تین شرائط لگا دیں کہ اسلام لاؤ، جزیہ دو یا پھر جنگ ہو گی اور کہا کہ اس کے علاوہ کسی بات پر صلح نہیں ہوسکتی۔ نہ صلح کرنا۔ مُقَوقَس نے جزیہ دینا منظور کرلیا اور اس سلسلہ میں ہرقل سے اجازت مانگنے کے لیے خود ہرقل کے پاس گیا لیکن ہرقل نے اسے ماننے سے انکار کر دیا بلکہ مُقَوقَس سے سخت ناراض ہوا اور اس کو سزا دیتے ہوئے جلاوطن کروا دیا۔

(سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے از علی محمد صلابی اردو ترجمہ صفحہ 760 الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ پاکستان)
(ماخوذ از سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل مترجم حبیب اشعر صفحہ 582 و 584 و 590 اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور)

جب قلعہ بَابِلْیُون کی فتح میں زیادہ تاخیر نظر آئی تو حضرت زبیر بن عوامؓ کہنے لگے کہ اب میں اپنی جان اللہ کے رستہ میں ہبہ کرنے جا رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی سے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا۔ یہ کہہ کر ننگی تلوار لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ چند اَور صحابہ نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔فصیل پر چڑھ کر سب نے ایک نعرہ لگایا اور ساتھ ہی تمام فوج نے بھی نعرہ لگایا جس سے قلعہ کی زمین دہل گئی۔ عیسائی سمجھ گئے کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے ہیں وہ بدحواس ہو کر بھاگے اور حضرت زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر آ گئی اور لڑتے لڑتے قلعہ کو فتح کر لیا۔

(سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے از علی محمد صلابی اردو ترجمہ صفحہ 760 الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ پاکستان)
(ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 150 دار الاشاعت کراچی 2004ء)

حضرت عمرو بن عاصؓ نے انہیں اس شرط پر امان دے دی کہ رومی فوج اپنے ساتھ چند دنوں کی خوراک لے کر یہاں سے نکل جائے اور قلعہ بَابِلْیُون میں جو ذخیرہ اور جنگی اسلحہ ہے انہیں ہاتھ نہ لگائیں کیونکہ وہ مسلمانوں کے اموالِ غنیمت ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے قلعہ بَابِلْیُون کے گنبدوں اور بلند اور مستحکم دیواروں کو توڑ دیا۔

(سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے از علی محمد صلابی اردو ترجمہ صفحہ 760 الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ پاکستان)

قلعہ بَابِلْیُون کی فتح کے بعد اسلامی فوج نے مصر میں مختلف علاقوں اور قلعوں پر فتوحات حاصل کیں جن میں سب سے نمایاں طَنُوْط، نَقِیُوش، سُلْطَیس، کِرْیُون وغیرہ ہیں۔

(سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل مترجم حبیب اشعر صفحہ 602، 603، 605، 608 اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور)

اسکندریہ کی فتح

کس طرح ہوئی؟ اس بارے میں لکھا ہے کہ فُسطاط کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے اسکندریہ کی فتح کی بھی اجازت دے دی۔ اسکندریہ اور فُسْطَاط کے درمیان مقام کِرْیُون میں رومیوں کے ساتھ شدید جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اس کے بعد اسکندریہ تک رومی سامنے نہ آئے۔ مُقَوقَس جزیہ دے کر صلح کرنا چاہتا تھا لیکن رومیوں نے اس پر دباؤ ڈالا جس کے نتیجہ میں مُقَوقَس نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ اور قِبطی قوم اس جنگ میں شامل نہیں ہیں۔ اس لیے ہمیں اس میں کوئی ضرر نہ پہنچے۔ قِبطی اس معرکے سے الگ رہے جبکہ انہوں نے اسلامی فوج کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کے لیے راستہ ہموار کرنے لگے اور پل مرمت کرنے لگے۔ اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی قبطی لوگ مسلمانوں کو رسد مہیا کرتے رہے۔ اسکندریہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس وقت مسلمانوں نے اسکندریہ کو فتح کیا اس وقت اس شہر کو دار الحکومت کی حیثیت حاصل تھی۔قسطنطنیہ کے بعد بازنطینی رومی بادشاہت کا دوسرا بڑا شہر مانا جاتا تھا۔مزید برآں دنیا کا سب سے پہلا تجارتی شہر تھا۔ بازنطینی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اس شہر پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگیا تو اس کے بہت بھیانک نتائج سامنے آئیں گے۔ اسی پریشانی کی حالت میں ہرقل نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر عرب اسکندریہ پر غالب آ گئے تو رومی ہلاک ہو جائیں گے۔ اسکندریہ میں ہرقل نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے بنفسِ نفیس تیاری کی تھی لیکن تیاری کے دوران مر گیا اور اس کا بیٹا قسطنطین بادشاہ بنا۔ اسکندریہ اپنی فصیلوں کی استواری، ضخامت، محل وقوع اور محافظوں کی کثرت کی وجہ سے دفاعی اعتبار سے اپنا ایک منفرد مقام رکھتا تھا۔ اسکندریہ کا محاصرہ نو ماہ تک جاری رہا۔حضرت عمرؓ کو تشویش ہوئی اور حضرت عمرؓ نے خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیش پرست ہو گئے ہو ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہ ہوتی۔ اس پیغام

کے ساتھ مسلمانوں میں جہاد کی تقریر کرو اور حملہ کرو۔ حضرت عمرؓ کا یہ خط سنانے کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت عُبادہ بن صامتؓ کو بلایا اور عَلَم ان کے سپرد کیا۔ مسلمانوں نے نہایت شدید حملہ کیا اور شہر فتح کر لیا۔ اسی وقت حضرت عمروؓ نے مدینہ قاصد روانہ کیا اور اس کو کہا کہ جس قدر تیز جا سکو جاؤ اور امیر المومنین کو خوشخبری سناؤ۔ قاصد اونٹنی پر سوار ہوا اور منزلیں طے کرتے ہوئے مدینہ پہنچا۔ چونکہ دوپہر کا وقت تھا تو اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے، بارگاہ خلافت میں جانے سے پہلے سیدھا مسجد نبویؐ کا رخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی ادھر آنکلی اور پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ قاصد نے کہا اسکندریہ سے آیا ہوں۔ اس لونڈی نے اسی وقت جاکر خبر دی اور ساتھ ہی واپس آئی اور کہا کہ چلو تم کو امیر المومنینؓ بلاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بغیر انتظار کے خود چلنے کے لیے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ قاصد پہنچ گیا۔ فتح کا حال سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ آپؓ اٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرادی کہ الصلوٰۃ جَامِعَہ۔ یہ سنتے ہی سارا مدینہ اُمڈ آیا۔ قاصد نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کیے۔ بعد ازاں قاصد حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ اس کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے قاصد سے پوچھا کہ سیدھے میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ اس نے کہا کہ میں نے سوچا کہ آپؓ آرام کر رہے ہوں گے۔ فرمانے لگے تم نے میرے متعلق یہ کیوں گمان کیا؟ میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون اٹھائے گا؟

اسکندریہ کی فتح کے ساتھ سارا مصر فتح ہو گیا۔

ان معرکوں میں کثرت سے قیدی بنائے گئے۔ حضرت عمرؓ نے تمام قیدیوں کے متعلق حضرت عمروؓ کو بذریعہ خط ارشاد فرمایا کہ سب کو بلاکر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ جزیہ دینا ہو گا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ فرمان جب قیدیوں کے سامنے پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تو مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا شور اٹھتا تھا اور مسلمان غمگین ہوتے تھے۔

(ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 162 تا 165 دار الاشاعت کراچی 1991ء)

(ماخوذ از سیدنا عمر بن خطابؓ از الصلابی اردو ترجمہ صفحہ 760 تا 764 الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ پاکستان)

اسکندریہ کی لائبریری

جلائے جانے کا واقعہ بھی بعض مستشرقین بڑے زور شور سے بیان کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اسکندریہ کی اس فتح کے ضمن میں مخالفین بالخصوص عیسائی مصنفین کی طرف سے ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسکندریہ میں موجود ایک بہت بڑے کتب خانے کو جلانے کا حکم دیا تھا اور اس اعتراض کے ساتھ گویا یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمان نعوذ باللہ کس قدر علم و عقل کے مخالف تھے اور اسکندریہ میں موجود اتنے بڑے کتب خانے کو جلا دیا کہ چھ ماہ تک آگ جلتی رہی حالانکہ عقل و نقل دونوں اعتبار سے یہ اعتراض سراسر بناوٹی اور جعلی معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس قوم کو اس کے رب اور راہنما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

(سنن ابن ماجہ افتتاح الکتاب فی الایمان وفضائل الصحابۃ والعلم باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم حدیث نمبر 224)

اور جس نے یہ حکم دیا ہو کہ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ کہ علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے

(کنز العمال جزء 10 صفحہ 138 کتاب الباب الاول فی الترغیب فیہ حدیث 28697 مؤسسۃ الرسالۃ بیروت 1985ء)

اور جن کے لیے قرآن کریم میں علم و عقل اور تدبر و تفکر کے لیے درجنوں احکام و آیات موجود ہوں ایسے لوگوں پر کتب خانے کو جلانے کا الزام لگانا عقل اور درایت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے محققین جن میں خود عیسائی اور یورپین محقق شامل ہیں انہوں نے اس بات کی تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسکندریہ کے کتب خانے کو جلائے جانے کا واقعہ سراسر بناوٹی اور جعلی قصہ ہے۔ چنانچہ مصر کے ایک عالم محمد رضا اپنی تصنیف 'سیرت عمر فاروقؓ' میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسکندریہ میں آگ لگنے کا جو اعتراض کیا جاتا ہے اس کا ذکر اَبُوالْفَرَج مَلَطِی نے کیا ہے۔ اس نے یہ واقعہ تاریخ کی ایک کتاب 'مُخْتَصِرُ الدُّوَل' میں کیا ہے۔ یہ مؤرخ 1226ء میں پیدا ہوا اور 1286ء میں فوت ہوا۔ اس نے لکھا ہے کہ فتح کے وقت یُوحَنَّا النَّحْوِی نامی ایک شخص جو قبطی پادری تھا اور مسلمانوں میں یحییٰ کے نام سے مشہور ہوا، اعتقاد کے لحاظ سے عیسائیوں کے فرقہ یعقوبیہ سے اس کا تعلق تھا اور بعد میں عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث سے رجوع کر لیا۔ اس نے عمرو بن عاصؓ سے خزائن ملوکیت میں سے حکمت کی کتب مانگیں تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ سے اجازت کے بعد ہی کچھ بتانے کے قابل ہوں گا۔ ویسے تو یہ بالکل جھوٹی کہانی ہے لیکن پھر بھی اعتراض کو ردّ کرنے کے لیے بیان کر دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ آپؓ نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے اگر تو ان کا مواد اللہ تعالیٰ کی کتاب کے موافق ہے تو پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے وہ ہمارے لیے کافی ہے اور ان کتابوں کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں اور اگر ان کا مواد اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف ہے تو پھر ان کتابوں کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ لہٰذا آپ ایسی کتابیں ضائع کرا دیں۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اسکندریہ کے حماموں پر ان کتابوں کی چھانٹی شروع کر دی اور انہیں ان بھٹیوں میں جلا دیا۔ اس طرح وہ کتابیں چھ ماہ میں ختم ہو گئیں۔

اس روایت کا ذکر نہ تاریخ طبری میں ہے نہ ابنِ اثیر میں ہے، نہ یعقوبی اور کِنْدِی میں، نہ ابن عبد الحَکَم اور بَلَاذُرِی میں اور نہ ہی ابنِ خلدون نے اس کا ذکر کیا ہے۔

صرف ابوالفَرَج نے تیرھویں صدی عیسوی کے نصف اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں کسی مصدر کا ذکر کیے بغیر اسے لکھا ہے۔

پروفیسر بٹلر نے یوحنا نحوی کے بارے میں تحقیق کی اور لکھا ہے کہ وہ سن 642ء میں جس میں لائبریری کو آگ لگنے کا ذکر ہے زندہ ہی نہیں تھا۔ دائرۂ معارف برطانیہ نے ذکر کیا ہے کہ یوحنا پانچویں صدی کے اواخر اور چھٹی صدی کے اوائل میں زندہ تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ مصر ساتویں صدی کے اوائل میں فتح ہوا تھا۔ اس بنا پر پروفیسر بٹلر نے درست کہا ہے کہ وہ اس وقت فوت ہو چکا تھا۔ یہ یعنی جس کا حوالہ دے رہے ہیں وہ تو اس واقعہ سے جو غلط رنگ میں ہی بے شک بیان کیا جاتا ہے اس سے بہت پہلے فوت ہو چکا تھا۔ پھر یہ کہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے پروفیسر اسماعیل کی سند سے اپنے رسالے ''تاریخ عمرو بن عاصؓ'' میں یہ تحریر کیا ہے کہ اس وقت دارِ کتب اسکندریہ یعنی اسکندریہ کی جو لائبریری تھی وہ موجود ہی نہیں تھی کیونکہ اس کے دو حصوں میں سے ایک بڑے حصے کو یُوْلِیُوس قیصر (جولیس قیصر، جولیس سیزر (Julius Caesar)) کے لشکروں نے بلا قصد، بغیر کسی مقصد کے اور بلاوجہ سن 47 ق م میں جلا دیا تھا اور اس کی دوسری قسم بھی اسی طرح مذکورہ زمانے میں معدوم ہو گئی تھی اور یہ واقعہ تِیُوفِل (Teofill) پادری کے حکم پر چوتھی صدی میں ہوا۔ پروفیسر بٹلر لکھتا ہے کہ

ابو الفرج کا قصہ تاریخی اساس سے محض بے سر و پا ہے اور مضحکہ خیز ہے۔

اگر کتابیں جلائی ہوتیں تو وہ مختصر سی مدت میں ایک دفعہ ہی جل سکتی تھیں اور اگر وہ چھ ماہ میں جلائی گئیں تو ان میں سے بہت سی چوری بھی ہو سکتی تھیں۔ عربوں کے متعلق معروف نہیں کہ انہوں نے کسی چیز کو تلف کیا ہو۔ گِبَّن (Gibbon) نے لکھا ہے کہ اسلامی تعلیمات اس روایت کی مخالفت کرتی ہیں کیونکہ اس کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ جنگ میں یہودیوں اور عیسائیوں کی ملنے والی کتب کو جلانا جائز نہیں اور جہاں تک علم، فلسفہ، شعر اور دین کے دیگر علوم کی کتب کا تعلق ہے تو اسلام نے ان سے استفادہ کرنا جائز قرار دیا ہے۔ مسلمانوں نے مفتوحہ علاقوں میں گرجوں اور ان کی متعلقہ چیزوں کو نقصان پہنچانے سے منع کیا بلکہ ذمیوں کو بھی حریت دینیہ کی اجازت دی تھی تو کیا عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ امیر المومنین، اسکندریہ کا کتب خانہ جلا دینے کا حکم دیں گے۔

(ماخوذ از سیرت عمر فاروقؓ از محمد رضا صفحات 294 تا 297 مکتبہ اسلامیہ لاہور 2010ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنی کتاب ''تصدیق براہین احمدیہ'' میں اس اعتراض کا ذکر کر کے جواب دیا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ فَيْلُوْنَسْ حکیم اور فاضل اجل کی عرض پر عمرو سپہ سالار فوج نے امیر المومنین عمر خلیفہ ثانیؓ سے اس کتب خانے کے بارے میں ارشاد پوچھا تو خلیفہ نے لکھا فی الفور جلا دیے جاویں۔ چھ مہینے تک وہ حمام گرم ہوتے رہے۔ آپ لکھتے ہیں یہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ یہ تو اعتراض صرف پادری صاحبان کی کاسہ لیسی کا نتیجہ ہے۔ اس میں حقیقت کوئی نہیں۔ وَاِلَّا ناظرین غور کریں۔ حضرت خلیفہ اولؓ فرماتے ہیں کہ اول یہ کہ اگر اسلام کی عادات میں یہ ہوتا تو اسلام والے پھر خلیفہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد سعادت مہد میں یہود اور عیسائیوں کی پاک کتب کو جلاتے کیونکہ وہی دونوں مذاہب، ہاں پاک کتابوں والے مذاہب مذہب اسلام کے پہلے مخاطب تھے۔ پھر مجوس پر اسلام کا پورا تسلط ہوا مگر کوئی تاریخ نہیں بتاتی کہ اسلام نے ان کی

کتابیں جلائیں۔ اگر یہ فعل اسلام یا خلفائے اسلام کا داب ہوتا یعنی ان کی عادت ہوتی تو اس کے ارتکاب کے اسباب ہمیشہ اسلام میں موجود ہوتے اور اسلام کو اس میں کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ حضرت خلیفہ اولؓ فرماتے ہیں:

دوسری بات یہ کہ اگر مذہبی کتابوں کا جلانا اسلامی بادشاہوں اور عوام اسلام کا کام ہوتا تو یونانی فلسفہ، یونانی طب، یونانی علوم کے ترجمے عربی زبان میں محال ہوتے۔ سوئم یہ کہ اگر کتابوں کا جلانا اسلامی لوگ اختیار کرتے تو ضرور تھا کہ مکذب براہین احمدیہ، جو براہین احمدیہ کی تکذیب کر رہا ہے، اس کے جواب میں حضرت خلیفہ اول لکھ رہے ہیں ناں کہ اپنے ملک سے کوئی نظیر دیتے اور انہیں اسکندریہ میں سمندر پار نہ جانا پڑتا۔ یہاں لکھتے کہ ہندوستان میں کون سی کتابیں جلی ہیں۔ چہارم یہ کہ سات سو برس سے زیادہ اسلام نے ہندوستان میں سلطنت کی اور اس عرصہ میں بھگوت، رامائن، گیتا، مہابھارت اور ان کے مثل لنگ پُران (Ling Puran)، مارکُنڈِی (Markundi) مشہور کتابیں ہیں آج تک مذہبی کتابیں اور مقدس پُستک یقین کی جاتی ہیں۔ کسی کے جلانے کی خبر کان میں نہیں پہنچی بلکہ ان کتابوں میں سے بعض کے ترجمے ہوئے۔ پس تعجب آتا ہے کہ ان ہندوؤں نے کیونکر سمجھ لیا کہ مسلمان ان کی پُستکوں کو جلاتے ہیں۔ انصاف سے سوچو۔

(ماخوذ از تصدیق براہین احمدیہ جلد اوّل صفحہ 203-204)

اس اعتراض کے جواب میں ’تصدیق براہین احمدیہ‘ میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ نے بھی نوٹ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس وقت تک جبکہ اس واقعہ کی تحقیق نہ کی گئی تھی اور صحیح حالات روشنی میں نہ آئے تھے یہ الزام مسلمانوں کو دیا جاتا تھا مگر اب منصف مزاج اور حق پسند علماء میں ایسے لوگ بہت کم رہ گئے ہیں جو یہ ناحق الزام مسلمانوں کو دیتے ہوں۔ اس الزام کی وجہ زیادہ تر تعصب یا ناواقفیت پر مبنی تھی اور اس وقت بھی جب یہ الزام لگانے والے کے پاس کوئی صحیح سند موجود نہ تھی یعنی اس قصہ کے بیان کرنے والے دو مؤرخ اس واقعہ سے پانچ سو اسّی برس بعد پیدا ہوئے اور کوئی پہلی سند ان کے پاس موجود نہ تھی۔ سینٹ کرائے (Saint Croix) جس نے اسکندریہ کے کتب خانے کی تحقیق میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اس روایت کو بالکل جھوٹا ٹھہرایا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ

یہ کتابیں جولیس سیزر (Julius Caesar) کی لڑائی میں جل گئی تھیں۔

چنانچہ پلوٹارک (Plutarch) بھی ’لائف آف سیزر‘ میں لکھتا ہے کہ جولیس سیزر نے دشمنوں کے ہاتھوں میں پڑ جانے کے خوف سے اپنے جہازوں کو آگ لگا دی اور وہی آگ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ اس نے اسکندریہ کے مشہور کتب خانۂ عظیم کو بالکل جلا دیا۔

ہیڈن (Haydn) نے اپنی کتاب ڈکشنری آف ڈیٹس ریلیٹنگ ٹو آل ایجز (Dictionary of Dates Relating to all Ages) میں جہاں اس غلط روایت کو درج کیا ہے وہاں اپنی تحقیقات سے یہ نوٹ لکھا ہے کہ یہ قصہ بالکل مشکوک ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ”اگر وہ کتابیں مخالفِ اسلام ہیں تو جلا دینی چاہئیں“ مسلمانوں نے تسلیم نہیں کیا۔ اس قول کو بعض نے تھیُوفِلَس (Theophilus) اسکندریہ کے بشپ سے منسوب کیا ہے جو 391ء میں ہوا اور بعض نے اسے کارڈینل جیمینیز (Cardinal Jime-nez) کے ماتھے لگایا ہے جو 1500ء میں تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ ہمارے مشہور جوان مرد ڈاکٹر لائیٹنر (Dr. Leitner) نے اپنی کتاب ’سنین الاسلام‘ میں اس غلط روایت کی پیروی کی ہے اور افسوس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو اپنی تحقیقات میں دھوکا ہوا ہے۔

ڈریپر صاحب، جان ولیم ڈریپر (John William Draper) نے مشہور کتاب میں پہلے اس قول کو غلط راویوں سے نقل کیا ہے لیکن بعد میں جا کر اس قول کی غلطی کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ درحقیقت یہ کتابیں جولیس سیزر کی لڑائی میں جل گئی تھیں اور اب کامل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قول بالکل بے اصل اور محض فسانہ ہے۔ اگر رونے کے لائق ہے تو یہ سچا واقعہ ہے، اگر جس بات پہ افسوس کرنا چاہیے، رونا چاہیے تو یہ واقعہ سچا ہے کہ متعصب کارڈینل جیمینیز (Cardinal Jimenez) نے اسّی ہزار عربی قلمی کتابیں گرناڈا (Granada) کے میدانوں میں برباد کرنے والی آگ کے شعلوں کے حوالے کر دی تھیں۔ جب سپین کو انہوں نے مسلمانوں سے چھینا اور عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو وہاں غرناطہ کی لائبریری سے اسّی ہزار کتابیں انہوں نے جلائی تھیں۔ یہ ہے اصل رونے کا مقام بجائے اسلام پہ الزام لگانے کے۔ دیکھو Conflict Between Religion and Science (ماخوذ از تصدیق براہین احمدیہ جلد اوّل صفحہ 203 حاشیہ) اس میں یہ حوالہ درج ہے۔ تو بہرحال یہ لائبریری کے جلانے کا حوالہ تھا جس کا الزام لگایا جاتا ہے۔

پھر فتح بَرقَہ و طرابلس وغیرہ کا ذکر

ہے۔ مصر فتح کر لینے اور وہاں امن و امان قائم ہو جانے کے بعد عمرو بن عاصؓ مغرب کی سمت بڑھے تا کہ ادھر سے مفتوحہ علاقوں کے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ کیونکہ بَرقَہ اور طرابلس میں روم کی کچھ فوج قلعہ بند تھی اور موقع ملنے پر لوگوں کو ورغلانے سے وہ مصر میں مسلمانوں پر دھاوا بول سکتے تھے۔ اسکندریہ اور مراکش کے درمیان جو علاقہ ہے اس کو بَرقَہ کہتے ہیں۔ اس علاقے میں کئی شہر اور بستیاں آباد ہیں۔ چنانچہ عمرو بن عاص بائیس ہجری میں اپنی فوج لے کر بَرقَہ کی طرف چلے۔ اسکندریہ سے بَرقَہ تک کا راستہ نہایت سرسبز و شاداب اور گھنی آبادی والا تھا۔ اس لیے وہاں تک پہنچنے میں آپ کو دشمن کی کسی سازش کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور جب وہاں پہنچے تو لوگوں نے جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت کر لی۔ اس کے بعد بَرقَہ کے لوگ خود بخود والی مصر کے پاس جاتے اور اپنا خراج جمع کرا آتے۔ مسلمانوں کی طرف سے کسی کو ان کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ یہ لوگ مغرب میں سب سے زیادہ سادہ لوگ تھے۔ ان کے یہاں کوئی فتنہ و فساد نہیں تھا۔

عمرو بن عاص یہاں سے نکلے تو طرابلس کی طرف بڑھے جو محفوظ و مضبوط قلعوں والا شہر تھا۔ وہاں رومی فوج کی بہت بڑی تعداد مقیم تھی۔ اس نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر اپنے قلعوں کے دروازے بند کر دیے اور مجبوراً مسلمانوں کے محاصرے کو برداشت کرنے لگے۔ یہ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا لیکن مسلمانوں کو کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔ طرابلس کے عقب میں شہر سے متصل سمندر بہتا تھا اور سمندر اور شہر کے درمیان کوئی فصیل قائم نہیں تھی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کو یہ راز معلوم ہو گیا اور پیچھے سے سمندر کی طرف سے شہر میں داخل ہو گئی۔ انہوں نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اب فوج کے سامنے اپنی کشتیوں میں بھاگ کر پناہ لینے کے علاوہ کوئی اَور راستہ نہیں تھا۔ وہ جونہی پیچھے بھاگے پیچھے سے عمرو بن عاصؓ نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے اکثر تہ تیغ کر دیے گئے سوائے یہ کہ جو کشتیوں سے بھاگ نکلے۔ شہر میں موجود سامان اور جائیداد کو مسلمانوں نے مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔

طرابلس سے نمٹنے کے بعد عمرو بن عاص نے اپنی فوج کو قرب و جوار میں پھیلا دیا۔ آپ کا ارادہ تھا کہ مغرب کی سمت فتوحات مکمل کر کے تیونس اور افریقہ کا رخ کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سیدنا عمر بن خطابؓ کے پاس خط لکھا جبکہ حضرت عمرؓ اسلامی لشکر کو نئے محاذ پر بھیجنے سے ہچکچاتے تھے اور خاص طور پر ایسی حالت میں جبکہ شام سے طرابلس تک تیزی سے فتوحات کے باعث مفتوحہ علاقوں کی طرف سے ابھی بالکل مطمئن نہ ہوئے تھے۔ اس لیے آپ نے اسلامی لشکر کو طرابلس میں ٹھہر جانے کا حکم دیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی سلطنت

کا دائرہ دور دراز علاقوں کی سرحدوں کو چھونے لگا۔ اسلامی سلطنت مشرق میں دریائے جیحون اور دریائے سندھ سے لے کر مغرب میں افریقہ کے صحراؤں تک اور شمال میں ایشیائے کوچک کے پہاڑوں اور آرمینیا سے لے کر جنوب میں بحر الکاہل اور نُوبَہ تک ایک عالمی ملک کی شکل میں دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوئی۔ نُوبَہ مصر کا جنوبی علاقہ ہے جو بہت وسیع و عریض ہے جس میں مختلف اقوام ادیان اور ملل اور تہذیب و تمدن نے زندگی پائی تھی۔ یعنی اسلامی حکومت نے مصر کے علاقے میں ہی نہیں بلکہ یہ جو پورا علاقہ مسلمانوں کے زیر اثر تھا اور وہاں مختلف اقوام تھیں، مختلف تہذیب و تمدن تھے، ان سب نے اسلام کے سایہ عدل اور رحمت میں امن اور سکون کی زندگی گزاری۔ وہ دین اسلام جس نے اپنے عقائد اور عبادات اور تہذیب و تمدن کے مخالفین کو ہزاروں مخالفتوں کے باوجود اس دنیا میں مکمل حقوق عطا کیے اور ان کی زندگی کا پورا پورا احترام کیا۔

(سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے از محمد صلابی صفحہ 765-766)

(معجم البلدان جلد 1 صفحہ 462 برقہ۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(معجم البلدان جلد 5 صفحہ 357 نوبہ۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

جنگوں کے دوران مسلمانوں کی عبادات کا رنگ

کیسا ہوتا تھا؟ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”دنیا میں ہر چیز قدم بہ قدم ترقی کرتی ہے۔ بڑے بڑے کام بھی یکدم نہیں ہو جایا کرتے بلکہ آہستہ آہستہ ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی سارے مسلمان تہجد نہیں پڑھتے تھے آہستہ آہستہ انہیں عادت ڈالی جارہی تھی

حتیٰ کہ پھر وہ زمانہ آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنگ کے دنوں میں بھی جب کہ ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی، ”بعض دفعہ“ چھوڑ دیتے تھے، مسلمان تہجد پڑھتے تھے۔ ممکن ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنگ کے دنوں میں تہجد کے لئے اٹھا کرتے ہوں مگر یہ ثابت ہے کہ ”بعض دفعہ“ نہیں بھی اٹھتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمان جنگ کے دنوں میں بھی تہجد پڑھتے تھے حتیٰ کہ ایک دفعہ جب ہرقل نے ان پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا تو اس پر خوب بحث ہوئی اور آخر یہی فیصلہ ہوا کہ نہ مارا جائے کیونکہ مسلمانوں پر شب خون مارنا بے سود ہے۔ اس لئے کہ وہ تو سوتے ہی نہیں بلکہ تہجد پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ترقی کی علامت ہے جو ابتدا میں نہ تھی۔ شروع شروع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے لئے بہت تحریک و تحریص کی ضرورت پیش آتی تھی مگر بعد میں آہستہ آہستہ کمزور بھی اس کے عادی ہو گئے۔“

(خطبات محمود جلد 13 صفحہ 189)

خلفائے راشدین کے دور میں ہونے والی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ

”اسلام نے صرف مقابلہ کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ بعض مصلحتوں کے ماتحت ظلم کو برداشت کرنے کی بھی ہدایت دی ہے۔

چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اجازت ہے کہ اگر تمہیں کوئی شخص تھپڑ مارے تو تم بھی اسے تھپڑ مارو۔ وہاں اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر تم مقابلہ کرنا مصلحت کے خلاف سمجھو تو تم چپ رہو اور تھپڑ کا تھپڑ سے جواب مت دو۔ پس وہ دلیل جو عام طور پر ان جنگوں کے متعلق پیش کی جاتی ہے اس سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ پر دشمن کے الزام کا دفاع تو ہو جاتا ہے۔ یہ تو پتہ لگ جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ظلم نہیں کیا بلکہ قیصر نے ظلم کیا۔ حضرت عمرؓ نے ظلم نہیں کیا بلکہ کسریٰ نے ظلم کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ظلم نہیں کیا بلکہ افغانستان اور بخارا کی سرحد پر رہنے والے قبائل اور کردوں وغیرہ نے ظلم کیا لیکن اس امر کی دلیل نہیں ملتی کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو معاف کیوں نہ کر دیا؟ حضرت عمرؓ نے ان کو معاف کیوں نہ کر دیا؟ حضرت عثمانؓ نے ان کو معاف کیوں نہ کر دیا؟ جب وہ مقابلے کے لئے نکلے تھے تو وہ قیصر سے کہہ سکتے تھے کہ تمہاری سپاہ سے فلاں غلطی ہو گئی ہے اگر اس کے متعلق تمہاری حکومت ہم سے معافی طلب کرے تو ہم معاف کر دیں گے اور اگر معافی طلب نہ کرے تو ہم لڑائی کریں گے۔ انہوں نے قیصر کے سامنے یہ پیش نہیں کیا کہ تم سے یا تمہاری فوج کے ایک حصہ سے فلاں موقع پر ظلم ہوا ہے اور چونکہ ہماری تعلیم یہ بھی ہے کہ دشمن کو معاف کر دو اس لئے اگر تم معافی مانگو تو ہم معاف کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ جب اس نے ظلم کیا وہ“ (مسلمان) ”فوراً اس کے مقابلے کے لئے“ (جنگ کے لئے) ”کھڑے ہو گئے اور پھر اس کے مقابلہ کو جاری رکھا“ اس مقابلے کو جاری رکھا۔

”جب کسریٰ کے سپاہیوں نے عراقی سرحد پر حملہ کیا تو سیاسی طور پر اس کے بعد صحابہؓ اور کسریٰ کے درمیان جنگ بالکل جائز ہو گئی لیکن اخلاقی طور پر حضرت عمرؓ کسریٰ کو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ شاید تم نے اس حملے کا حکم نہ دیا ہو بلکہ سپاہیوں نے خود بخود حملہ کر دیا ہو اس لئے ہم اس حملہ کو نظر انداز کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ تم ہم سے معافی مانگو اور اس فعل پر ندامت کا اظہار کرو مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں دشمنوں کو یہ نہیں کہا کہ تم نے ظلم تو کیا ہے لیکن چونکہ ہمارا مذہب ظلم کی معافی کی بھی تعلیم دیتا ہے اس لئے ہم تمہیں معاف کرتے ہیں بلکہ وہ فوراً اس ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور لشکر بھیجے، لڑائی کی اور پھر اس لڑائی کو جاری رکھا۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟“ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں ”اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھی کہ حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ جب بھی بیرونی خطرہ کم ہوا اندرونی فسادات شروع ہو جائیں گے۔ وہ سمجھتے تھے کہ قیصر نے حملہ نہیں کیا بلکہ خدا نے حملہ کیا ہے تا مسلمان اس مصیبت کے ذریعہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کریں اور اپنے اندر نئی زندگی اور نیا تغیر پیدا کریں۔ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ کسریٰ نے حملہ نہیں کیا بلکہ خدا نے حملہ کیا ہے تا کہ مسلمان غافل، سست ہو کر دنیا میں منہمک نہ ہو جائیں بلکہ ہر وقت بیدار اور ہوشیار رہیں۔ حضرت عثمانؓ جانتے تھے کہ بعض قبائل نے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا بلکہ خدا نے حملہ کیا ہے تا کہ مسلمان بیدار ہوں اور ان کے اندر ایک نئی روح اور ایک نئی زندگی پیدا ہو۔“

(خطبات محمود جلد 30 صفحہ 175-176)

حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے ایک خطبہ میں یہ بیان فرمایا تھا۔ اس بنیاد پر حضرت مصلح موعودؓ نے اس میں آگے پھر یہ بھی اعلان فرمایا ہے، جماعت کو نصیحت فرمائی ہے کہ مصائب آتے ہیں، مشکلات میں سے گزرنا پڑتا ہے تا کہ روحانی ترقی ہو۔ اور اس اصول کو اگر ہم آج بھی یاد رکھنا چاہتے ہیں تو پھر یاد رکھیں کہ یہ مصائب اور مشکلات جو ہیں ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہونے چاہئیں اور یہی فتوحات کا پھر ذریعہ بنتے ہیں۔ اگر ان باتوں میں ہم صرف ڈر کے پیچھے پیچھے رہتے رہیں اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہ کریں تو پھر ترقی نہیں ہو سکتی۔ ہاں جب ترقیات مل جائیں اور مصائب ختم ہو جائیں تب بھی ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے رہنا چاہیے لیکن ان دنوں میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہیے اور ہمیں اپنی روحانی ترقی اور روحانی بہتری کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے یہی لکھا ہے کہ اگر ہم نے اس بات کو نہیں سمجھا تو کچھ نہیں سمجھا اور یہی بات ہر ایک احمدی کے لیے آج کل بھی سمجھنے والی ہے۔

☆...☆...☆

(الفضل انٹرنیشنل 26؍اکتوبر 2021ء)

بقیہ: فرمان خلیفۂ وقت...... از صفحہ 1

کو، غریب ملکوں کو اپنی جوتی کی نوک پر رکھا ہوتا ہے۔ اور آج دنیا میں فساد کی بہت بڑی وجہ یہی ہے۔ اگر یہ تکبر ختم ہو جائے تو دنیا سے فساد بھی مٹ جائے۔ لیکن ان متکبر قوموں کو بھی، حکومتوں کو بھی پتہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تکبر کرنے والوں کے غرور اور تکبر کو توڑتا ہے تو ان کا پھر کچھ بھی پتہ نہیں لگتا کہ وہ کہاں گئے۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان 19)۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اور (نخوت سے) انسانوں کے لئے اپنے گال نہ پھلا اور زمین میں یونہی اکڑتے ہوئے نہ پھر۔ اللہ کسی تکبر کرنے والے (اور) فخر و مباہات کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

جیسا کہ اس آیت سے بھی ظاہر ہے اللہ تعالیٰ ہمیں فرما رہا ہے کہ یونہی تکبر کرتے ہوئے نہ پھرو۔ اپنے گال پھلا کر، ایک خاص انداز ہوتا ہے تکبر کرنے والوں کا اور گردن اکڑا کر پھر اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے سے کم درجہ والوں کے سامنے اکڑ دکھا رہے ہوتے ہیں اور اپنے سے اوپر والے کے سامنے بچھتے چلے جاتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں میں منافقت کی برائی بھی ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔ تو یہ تکبر جو ہے بہت سی اخلاقی برائیوں کا باعث بن جاتا ہے اور نیکی میں ترقی کے راستے آہستہ آہستہ بالکل بند ہو جاتے ہیں۔ اور پھر دین سے بھی دور ہو جاتے ہیں، نظام جماعت سے بھی دور ہو جاتے ہیں۔ اور جیسے جیسے ان کا تکبر بڑھتا ہے ویسے ویسے وہ اللہ اور رسول کے قرب سے، اس کے فضلوں سے بھی دور چلے جاتے ہیں۔

(خطبہ جمعہ 29 اگست 2003ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

بقیہ: دربارِ خلافت...... از صفحہ 2

زبان میں کہا کہ اب خاموش ہو جاؤ۔ ہم نے بھی باتیں کرنی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آج میاں غلام رسول کی بات ہوگی اور کسی کی نہیں ہوگی۔ اُن کو بھی چپ کرا دیا اور باتیں مُلّانوں کے متعلق ہوتی رہی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ والد صاحب نے سنایا کہ میں حضور کے ساتھ امرتسر کے ایک مُلّاں کی بات کر رہا تھا کہ اُس نے مجھے کہا کہ تم مرزا صاحب کو چھوڑ دو۔ ہم تمہیں بہت سارو پیہ جمع کر دیں گے۔ مگر مَیں نے کہا (سوچ ہے ناں، انہوں نے جواب دیا) کہ فلاں سوداگر نے ایک عورت رکھی ہوئی ہے مگر وہ اُس عورت کو نہیں چھوڑ سکتا تو مَیں خدا کے نبی کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟۔

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہؓ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر 11 صفحہ 39-40۔ روایت حضرت میاں عبدالغفار صاحب جراحؓ)

(یعنی دنیا دار اپنے دنیاوی عشق کی خاطر دنیا بھی برباد کر رہا ہے اور آخرت بھی برباد کر رہا ہے۔ بدنامی بھی ہو رہی ہے تو مَیں تو خدا کی محبت کی خاطر خدا کے نبی کے تعلق اور عشق میں گرفتار ہوں، اس کو کس طرح چھوڑ دوں۔ اسی سے تو میری دنیا بھی سنورنی ہے اور میری آخرت بھی سنورنی ہے)۔

(خطبہ جمعہ 11؍ مئی 2012ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION Download on the App Store | Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

قارئین کی آراء

- مکرمہ عائشہ چوہدری۔ جرمنی سے لکھتی ہیں:

میں نے مضمون ’’اعتدال ضروری ہے‘‘ کو اپنے گروپس میں فارورڈ کر دیا ہے یہ مضمون سب کے لئے آزمودہ ہے کہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں مگر ہر چیز ہر بات میں اعتدال ضروری ہے۔

مکرم قمر احمد ظفر۔ جرمنی سے تحریر کرتے ہیں:

ماشاءاللہ! بہت ہی علمی مضمون ہے۔ اللھم زد فزد! خاکسار نے اپنے حلقہ احباب میں استفادہ کے لیئے شیئر کر دیا ہے۔

- مکرم سید عمار احمد لکھتے ہیں:

ماشاءاللہ بہت ہی زبردست آرٹیکل ہے۔ مجھے اپنی بہت سی کمزوریاں اس کو پڑھتے ہی سمجھ آ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپکو بہترین جزا دے آمین۔

- مکرم حامد کریم۔ ہالینڈ سے تحریر کرتے ہیں:

جزاک اللہ۔ میں نے آج صبح ہی آپ کا اداریہ پڑھ لیا تھا۔ بہت عمدہ مضمون ہے۔

- مکرم محمود ناصر ثاقب۔ امیر برکینا فاسو تحریر کرتے ہیں:

بہت ہی زبردست، معلوماتی اور راہنما مضمون ہے اللہ تعالیٰ مجھے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

- مکرمہ درثمین احمد۔ جرمنی سے لکھتی ہیں:

آرٹیکل ’’اعتدال ضروری ہے‘‘ کو بہت پسند کیا جا رہا ہے سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جس پر وقت کا امام خوشنودی کا اظہار کر دے اس سے زیادہ ہماری طرف سے لکھنا بےمعنی ہے۔ بہر حال انداز بیان وتحریر ہمیشہ سے دل کے قریب رہا ہے کیونکہ قاری کی نفسیات کو جان کر اس کے دل کی بات کو الفاظ کا روپ دیتے ہیں، بسا اوقات یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات تو ہمارے دل میں تھی بس اس کو اظہار کا جامہ آپ نے پہنا دیا۔ میں ہمیشہ اپنے حلقہ احباب میں الفضل کی تحریرات کو نہ صرف سرکولیٹ کرتی ہوں بلکہ اچھے لکھنے والے ساتھیوں کی بھی حوصلہ افزائی کرتی ہوں کہ ضرور ان اخبارات سے استفادہ کیا کریں اور اسکی اشاعت میں قلمی معاونت بھی کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تحریرات سے بھرپور استفادہ کرنے کی اور ان باتوں کو اپنی عملی زندگیوں میں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

آج کی دعا

رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٜ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾

(الاعراف:24)

ترجمہ: اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم گھاٹا کھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کی وسیع تر رحمت کو جذب کرنے والی اور خدا سے رحم و بخشش کی عظیم الشان دعا ہے۔

ہمارے پیارے آقا سیّدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے متعدد بار جماعت کو اس دعا کی تحریک فرمائی ہے۔ آپ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

حقیقی مومن اور شیطان کے پیچھے چلنے والوں میں فرق ظاہر ہوتا ہے کہ شیطان نے تکبر کرتے ہوئے اَنَا خَیۡرٌ کا نعرہ لگایا، اپنی بڑائی کی بات کی لیکن آدم نے اس معرفت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی تھی اس نکتہ کو سمجھا اور نہایت عاجزی سے یہ دعا کی کہ رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٜ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (الاعراف:24) اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور رحم نہ فرمائے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

پس یہ دعا ہے جو آج بھی اللہ تعالیٰ کی وسیع مغفرت کو جذب کرنے والی ہے۔ برائیوں سے بچانے والی اور غلطیوں اور کوتاہیوں سے پردہ پوشی کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے۔

(خطبہ جمعہ 22 مئی 2009ء)

مرسلہ: مریم رحمٰن

چھوٹی مگر سبق آموز بات

اشعار اور نظم پڑھنا

نظم تو ہماری مجلس میں بھی سنائی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی ایک دفعہ ایک شخص خوش الحان کی تعریف سن کر اس سے چند ایک اشعار سنے پھر فرمایا کہ رَحِمَكَ اللّٰهُ یہ لفظ آپ جسے کہتے تھے وہ جلد شہید ہو جاتا۔ چنانچہ وہ بھی میدان میں جاتے ہی شہید ہو گیا۔ ایک صحابیؓ نے آنحضرت ﷺ کے بعد مسجد میں شعر پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے روکا کہ مسجد میں مت پڑھو۔ وہ غصہ میں آ گیا اور کہا تو کون ہے کہ مجھے روکتا ہے میں نے اسی جگہ اور اسی مسجد میں آنحضرت ﷺ کے سامنے اشعار پڑھے تھے اور آپ نے مجھے منع نہ کیا۔ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 308۔ مطبوعہ 2016ء)

مرسلہ: شیخ آدم سعید۔ کینیڈا

25 اکتوبر 2021ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	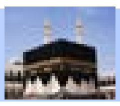	05:03	17:49
مدینہ منورہ	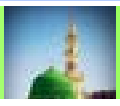	05:06	17:47
قادیان	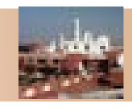	05:17	17:45
ربوہ	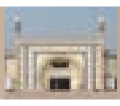	04:57	17:25
اسلام آباد ٹلفورڈ		06:14	17:50